© rasailojaraid.com

وفیات

مولانا شہباز اصلاحی مرحوم

ظفرالاسلام اصلاحی

مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڈھ) کا یہ فیض ہے کہ اس نے بہت سے ایسے فرزندان پیدا کیے جن کی خدمات مختلف میدانوں میں نمایاں ہوئیں اور مادر علمی کی نیک نامی کا باعث بنیں۔ انہی سعادت مند فرزندوں میں مولانا شہباز اصلاحی صاحب بھی تھے جو ۸؍نومبر ۲۰۰۱ء (یوم جمعہ) کی شب میں وفات پا گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس سے ایک ہفتہ قبل مولانا کا آخری دیدار نصیب ہوا۔ گھر جاتے ہوئے یکم نومبر کو لکھنؤ میں مختصر قیام رہا۔ جمعہ کا دن تھا، ندوۃ العلماء میں نماز جمعہ ادا کرنے کا قصد کیا تاکہ مولانا کی عیادت اور دیگر حضرات سے ملاقات کا موقع میسر آئے، ان کے یہاں حاضر ہوا تو حالت غیر نظر آئی۔ ان پر بے انتہا نقاہت طاری تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جسم بے جان بستر پر پڑا ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھا رہا، پہچانا نہیں تو اپنا نام بتایا۔ بولنے میں دقت محسوس کر رہے تھے۔ لیکن دو چار باتیں جو کچھ پوچھیں وہ مادر علمی، ادارہ علوم القرآن اور علی گڑھ کے اصلاحیوں کے بارے میں۔ رخصت ہوتے وقت یہی خیال ذہن میں آیا کہ کہیں یہ آخری ملاقات تو نہیں ہے۔ اللہ کی مرضی کہ ایسا ہی ہوا۔ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذی الجلال والاکرام۔

مولانا شہباز اصلاحی کا وطن موضع بھگوتا (سیوان۔ بہار) تھا۔ ان کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں کلکتہ میں ہوئی جہاں ان کے والد محترم جناب محمد حبیب تجارت کے سلسلہ میں سکونت پذیر تھے۔ تعلیم کے اولین مراحل غالباً کلکتہ میں ہی طے کیے۔ میٹرک کی تکمیل سے پہلے ہی انھوں نے کانپور کا قصد کیا اور مدرسۃ الٰہیات میں داخلہ لیا۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کی روایت کے مطابق اس وقت اس مدرسہ میں مولانا محمد ایوب اصلاحی جیراج پوریؒ اور مولانا قمر الدین اصلاحی صاحب (مولانا امین احسن اصلاحی کے تلمیذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صاحب روایت کے بڑے بھائی) استاد تھے ۱۹۴۸ء میں انہی حضرات کی ایماء پر انھوں نے مدرسۃ الاصلاح میں تعلیمی سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۵۱ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ مولانا کے اساتذہ میں شیدائے قرآن مولانا اختر احسن اصلاحیؒ (۱۹۰۱۔۱۹۵۸) بھی شامل تھے جو اس وقت صدر مدرس کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ فراغت کے بعد ہی مولانا مدرسہ پر استاد مقرر ہوئے اور خاص بات یہ کہ انہیں اوپر کے درجات کی کتابیں پڑھانے کو ملیں جیسا کہ ان کے شاگرد مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اس سے ان کا علم وفضل اور مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی نظر میں ان کا مقام واضح ہوتا ہے۔ چند سال بعد مولانا مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش ہوکر رامپور چلے گئے وہاں درسگاہ اسلامی میں ان کی تدریسی مصروفیات جاری رہیں۔ اسی دوران وہ کچھ عرصہ ماہنامہ ''زندگی'' کے شعبہ ادارت سے بھی منسلک رہے جیسا کہ ۱۹۵۶ء و ۱۹۵۷ء میں ان کے تحریر کردہ بعض ''اشارات'' (اداریے) اس کے شاہد ہیں۔ ایک روایت کے مطابق مولانا نے مدرسہ کاشف العلوم (چتر پور۔ ہزاری باغ) میں بھی کچھ عرصہ تدریس کی خدمت انجام دی۔

مولانا مرحوم رامپور کے بعد جامعۃ الفلاح (بلریا گنج) میں کئی سال استاد رہے اور صدر مدرس کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۱۹۷۴ء کے آس پاس مولانا کا تعلق مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے قایم ہوا اور وہ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ شیخ محترم ہی کی ایما پر وہ جامعہ اسلامیہ (بھٹکل۔ کرناٹکا) سے منسلک ہوئے جہاں تدریس کے ساتھ انتظامی ذمہ داریاں سے بھی ان کے سپرد ہوئیں جنہیں انھوں نے بحسن وخوبی انجام دیں۔ ۱۹۷۶ء میں وہ ندوہ میں استاد مقرر ہوئے اور خاص طور سے تفسیر وحدیث کی درسیات انھیں تفویض ہوئیں۔ وہ آخر تک اس عظیم ادارہ سے وابستہ رہے اور درس وتدریس کے علاوہ اقامتی طلبہ کی نگرانی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا علی میاںؒ سے وہ بڑی گہری عقیدت رکھتے تھے۔ روزانہ شام کو مہمان خانہ کے صحن میں مولانا کی مخصوص مجلس میں وہ بڑی پابندی سے شریک ہوتے اور ہر سال پورا رمضان تکیہ رائے بریلی میں گذارتے تھے۔ ایک دفعہ کسی صاحب نے مولانا کی مشہور تصنیف ''المرتضیٰ'' پر کچھ اعتراضات کیے تو بڑے مدلل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انداز میں ان کا جواب دیا اور ان کی تاریخ نگاری کی خصوصیات واضح کی۔

مولانا مرحوم کو قرآنیات سے گہرا شغف تھا۔ درس و تدریس میں تفسیر ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ ذاتی مطالعہ و تحقیق میں بھی ان کی دلچسپی کا خاص میدان قرآن تھا جیسا کہ خود انھوں نے ذاتی احوال کوائف سے متعلق ایک سوالنامہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور ''زندگی'' وغیرہ میں ان کے مطبوعہ مضامین سے بھی یہ واضح ہوتا ہے۔ ان سب کے علاوہ یہ ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ رمضان میں تکیہ رائے بریلی میں قیام کے دوران مرشد گرامی کی ہدایت کے مطابق مولانا مدرسہ کے طلبہ اور نوجوان علماء کے سامنے روزانہ قرآن کا درس دیتے تھے جیسا کہ رفیق مکرم ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صاحب (ریڈر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے ۱۹۷۴ء میں اس درس سے استفادہ کا ذاتی تجربہ مجھ سے بیان کیا ہے۔

مولانا کی علمی مصروفیات میں درس و تدریس کا حصہ غالب رہا ہے جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک استاد کی حیثیت سے مولانا بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ذمہ داری کا احساس، طلبہ کے ساتھ ہمدردی، ان کی تعلیم و تربیت میں گہری دلچسپی اور تواضع و انکساری ان کے اوصاف حسنہ میں شامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ ان کے گرویدہ تھے وہ استفادہ کے لئے ان سے بلا تکلف رجوع کرتے تھے اور مولانا خوشی خوشی ان کی مشکلات حل کرتے۔ مولانا کی زندگی کا دوسرا اہم پہلو تحریک اسلامی سے گہری وابستگی تھی۔ وہ (جیسا کہ نوجوان و فعال تحریکی کارکن ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی صاحب نے واضح کیا ہے) طالب علمی کے زمانہ میں ہی (غالباً کانپور میں تعلیم کے دوران) جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے، اس کے رکن بنے اور ایک دوسری روایت کے مطابق بعد میں مجلس شوریٰ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ دعوت دین کے فروغ کے لئے انھوں نے زبان و قلم دونوں استعمال کیے۔ ان کی تحریروں سے دعوتِ دین میں ان کی دلچسپی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ندوہ سے وابستگی کے بعد جماعت سے ان کا تعلق کمزور یا منقطع ہوجانے دونوں قسم کی روایتیں ملتی ہیں لیکن اس سلسلہ میں کوئی واضح بیان یا قطعی ثبوت نہیں مل سکا۔ صورت حال جو کچھ بھی رہی ہو ان کی زندگی کے حالات سے یہ بہر صورت ظاہر ہوتا ہے کہ دین کی دعوت و دین کی خدمت میں ان کی دلچسپی بدستور برقرار رہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کی علمی یادگاروں میں ایک تو ان کے سینکڑوں تلامذہ ہیں جو مذکورہ درس گاہوں میں ان سے فیض یاب ہوکر علمی دنیا میں ممتاز ہوئے دوسرے ان کے تحریری نقوش ہیں جو بہت زیادہ نہیں ہیں لیکن جو کچھ ہیں وہ قرآن وسنت سے ان کے گہرے تعلق، مطالعہ کی وسعت، حالات حاضرہ سے باخبری اور لوگوں کی اصلاح میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء کے دوران ''زندگی'' میں چند اداریوں کے علاوہ ان کے متعدد مضامین بھی شایع ہوئے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: خود فراموشی۔ خدافراموشی کا ہولناک لازمہ، کائنات۔ تذکر و تفکر کا قدرتی سامان اور مسخ۔ عذاب الٰہی کی بدترین شکل۔ اس کے علاوہ رامپور ہی سے ''اجالا'' کے نام سے ایک رسالہ نکلتا تھا اس میں بھی مولانا کے کچھ مضامین شایع ہوئے تھے لیکن اس رسالہ کی فائلیں نہیں مل سکیں۔ اردو کے علاوہ ہندی میں بھی وہ مضامین و افسانے لکھتے تھے۔ شعروادب کا بھی انھیں بہت لطیف ذوق ملا تھا۔ اردو، فارسی وعربی کے سینکڑوں اشعار انھیں یاد تھے۔ خود بھی شاعر تھے۔ اور ''ہندی تخلص اختیار کرتے تھے۔ ان کی شاعری اسلامی ادب کی آئینہ دار تھی۔ بچوں کے لئے لکھی گئی ان کی بعض نظمیں بہت مقبول ہوئیں۔ افضل حسین صاحب مرحوم کی مرتب کردہ اردو درسیات ''ہماری کتاب'' کے حصہ پنجم میں ان کی مشہور نظم ''نیکی کے جاں باز سپاہی'' شامل ہے۔ ان کی ذاتی ڈائری میں ایک شعر لکھا ہوا ملا جس کے بارے میں ان کے گھر والوں کا خیال ہے کہ یہ ان کی کسی نظم کا ایک حصہ ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

میرے رنج وغم کی شکایتیں ہیں ترے حضور اے خدا
کبھی آہ میں کبھی اشک میں، کبھی چھپ کے اور کبھی برملا

مزید براں ایک مکتوب نگار کے خط میں نقل کردہ ایک شعر کے حوالہ سے انھوں نے جس دلکش انداز میں جھیل و دریا کی فیض رسانی کے فرق کو واضح کیا ہے اور مثالوں کے ذریعہ صاحب شعر کے اس تصور کو غلط قرار دیا ہے کہ جھیل میں ٹھہراؤ ہوتا ہے اور اپنی بات کے اثبات کے لئے انھوں نے جس طرح اردو و فارسی کے برمحل اشعار کا حوالہ دیا ہے ان سب سے ان کا ادبی وشعری ذوق نکھر کر سامنے آتا ہے۔ یہ پوری بحث تعمیر حیات (۲۵ دسمبر ۲۰۰۱ء میں ''افادات شہباز اصلاحی'' کے عنوان سے شایع ہوئی ہے۔

مولانا بڑے خلیق وملنسار تھے، چھوٹوں پر بڑی شفقت فرماتے اور تشنگانِ علم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت قدر کرتے، جب بھی کوئی ان سے استفادہ کے لئے جاتا تو نامراد واپس نہ آتا۔ ان کے اخلاق کریمانہ سے یہ راقم بھی مستفیض ہوا ہے۔ شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی اسٹڈی گرانٹ کے تحت تقریباً دس برس قبل ندوہ کی علامہ شبلی نعمانی لائبریری کے فقہی ذخیرہ (بالخصوص مخطوطات) سے استفادہ کے لئے گیا اور ایک ہفتہ وہاں مہمان خانہ میں قیام رہا جو مولانا کی رہائش گاہ کے بالکل قریب تھا۔ بارہا ان سے ملاقاتیں رہیں اور کئی بار ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ بڑی محبت سے پیش آتے اور اپنی کرم فرمائیوں سے محظوظ کرتے میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن مرحوم جس اپنائیت کا مظاہرہ کرتے اور بے تکلفی سے باتیں کرتے وہ میرے لئے حیرتناک خوشی سے کم نہ تھی۔ غالباً یہ مدرستہ الاصلاح سے ان کی قدیم وگہری وابستگی کا اثر تھا کہ وہاں سے علیحدہ ہوجانے کے باوجود مادر علمی سے بڑا تعلق خاطر محسوس کرتے تھے اور جب بھی کوئی چھوٹا یا بڑا ''اصلاحی'' انھیں مل جاتا تو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھ کر اس سے نہایت محبت واپنائیت سے پیش آتے اور مادر علمی کی ماضی کی یادگاریں تازہ کرتے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور ممکن ہے اور بہت سے اصلاحی بھائیوں وبزرگوں نے اسکا مشاہدہ کیا ہو۔

مولانا مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ اور ایک بیٹی وایک بیٹے ہیں۔ صاحبزادے مولانا محمد صہیب ندوی صاحب بسلسلہ کاروبار دبئی میں مقیم ہیں۔ صاحبزادی مولانا کے بھتیجے محمد افضل صاحب سے منسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور انھیں ابدی راحت وسکون نصیب فرمائے۔ ہر مومن اس دنیا میں نیکی کا سپاہی ہوتا ہے جو برائیوں کو مٹانے اور اچھائیوں کو پھیلانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور ہر حال میں اپنے رب کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مولانا کے اس شعر کا مصداق بنادے۔

امید ہے رب کی رحمت سے ہم اپنی مرادیں پائیں گے
ہم نیکی کے جاں باز سپاہی نیکی کو پھیلائیں گے

(مولانا مرحوم کے بارے میں معلومات کی فراہمی میں تعاون کے لئے ان کے بھتیجے جناب محمد احمد صاحب، رفیق ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی صاحب اور مرتب ڈائرکٹری اصلاحیان مولانا عتیق الرحمٰن اصلاحی صاحب (مقیم حال علی گڑھ) کا خاص طور سے ممنون ہوں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

© rasailojaraid.com